ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3903

Program: BS Islamic Studies (Spec. Seerat Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت سٹڈیز)

کورس: حقوق الرسول (3903) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص سیرت سٹڈیز)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ 1–4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: محبتِ رسول ﷺ — لغوی و اصطلاحی مفہوم، وجوب اور ایمانی اہمیت

سوال نمبر 1۔ محبتِ رسول ﷺ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے اس کے وجوب اور ایمانی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔ (20 نمبر)

تعارف

محبتِ رسول ﷺ دینِ اسلام کے ان بنیادی عقائد و جذبات میں سے ہے جن پر ایمان کی عمارت قائم ہے۔ مسلمان کا نبی کریم ﷺ سے تعلق محض تاریخی معلومات یا رسمی عقیدت کا تعلق نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے جڑا ہوا ایک زندہ، فعال اور زندگی بدل دینے والا رشتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت نے اس محبت کو ایمان کی علامت، اس کی تکمیل کا ذریعہ اور آخرت کی کامیابی کی کنجی قرار دیا ہے۔ اس سوال میں ہم پہلے محبت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کریں گے، پھر یہ واضح کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت شرعاً واجب کیوں ہے، اور آخر میں اس کی ایمانی اہمیت پر روشنی ڈالیں گے۔

محبت کا لغوی مفہوم

لفظ "محبت" عربی مصدر "حُبّ" سے ماخوذ ہے۔ اہلِ لغت کے نزدیک حب کا بنیادی مفہوم کسی چیز کی طرف دل کا میلان، اس سے اگاؤ اور اس کا چاہنا ہے۔ بعض لغوی محققین نے لکھا ہے کہ "حب" اصل میں دل میں کسی محبوب شے کے ٹھہراؤ اور اس سے وابستگی کو کہتے ہیں، جس طرح بیج زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔ عربی زبان میں محبت کے لیے "وِدّ"، "خُلّت" اور "عشق" جیسے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں، مگر ان کے درجات اور مواقع الگ الگ ہیں: وِدّاد میں نرمی اور قربت کا پہلو غالب ہے، خُلّت دوستی کی انتہا ہے، جبکہ محبت ایک جامع لفظ ہے جو دل کے سچے میلان، پسندیدگی اور قربانی کے جذبے، تینوں کو شامل ہے۔ لغوی اعتبار سے ہر وہ شے جس کی طرف انسان کا دل مائل ہو اور وہ اسے حاصل کرنا یا اس کے قریب رہنا چاہے، وہ اس کے لیے "محبوب" کہلاتی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ لغوی محبت فطری بھی ہو سکتی ہے اور اختیاری بھی۔ والدین سے محبت، اولاد سے محبت اور وطن سے محبت عموماً فطرت کا حصہ ہے، جبکہ کسی شخصیت کے کمال، احسان اور خوبیوں کو دیکھ کر پیدا ہونے والی محبت شعوری اور اختیاری ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت ان دونوں پہلوؤں کو جامع ہے: آپ ﷺ کی ذات کا کمال، آپ کا احسانِ عظیم کہ آپ کے ذریعے انسانیت کو ہدایت ملی، اور آپ کی بے مثال سیرت و کردار، یہ سب دل کو آپ کی طرف کھینچتے ہیں۔ لہٰذا محبتِ رسول محض جذباتی کشش نہیں بلکہ عقل، شعور اور ایمان کے ساتھ جڑی ہوئی محبت ہے۔

محبتِ رسول ﷺ کا اصطلاحی مفہوم

شرعی اصطلاح میں محبتِ رسول سے مراد یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رسول اللہ ﷺ کو دنیا کی ہر چیز، حتیٰ کہ اپنے والدین، اولاد، مال اور اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھے، آپ کی عظمت دل میں جاگزیں ہو، آپ کے احکام کی اطاعت اور آپ کی سنت کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے، اور آپ کی نسبت سے جڑی ہر چیز یعنی آپ کی سیرت، آپ کے اہلِ بیت، آپ کے صحابہ اور آپ کے دین سے قلبی وابستگی رکھے۔ علماء نے اس محبت کی تعریف یوں کی ہے کہ یہ دل کا وہ سچا میلان ہے جو انسان کو محبوب کی رضاجوئی، اس کی فرماں برداری اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے پر ابھارتا ہے۔ جس محبت کے ساتھ اطاعت نہ ہو وہ اہلِ علم کے ہاں نامکمل اور دعوے کی حد تک رہ جاتی ہے۔

اصطلاحی مفہوم میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ محبتِ رسول دراصل محبتِ الٰہی کا دروازہ اور اس کا عملی اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب بندوں کی پہچان یہ بتائی ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے (المائدہ 5:54 کے مفہوم کی طرف اشارہ)، اور نبی کریم ﷺ کی محبت اسی الٰہی محبت سے جڑی ہوئی ہے، کیونکہ رسول وہ واسطہ ہیں جن کے ذریعے بندے کو اپنے رب کی معرفت، اس کی پسند و ناپسند اور اس کی رضا کے راستے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لیے صوفیائے کرام اور اہلِ علم نے کہا ہے کہ جو رسول سے محبت نہیں رکھتا اس کا اللہ سے محبت کا دعویٰ بھی مشکوک رہتا ہے۔

محبتِ رسول ﷺ کے وجوب کے دلائل

قرآن مجید سے دلائل

قرآن مجید نے محبتِ رسول کو واجب قرار دینے کے متعدد واضح دلائل دیے ہیں۔ سورہ آلِ عمران (3:31) میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ اللہ سے محبت کا ثبوت رسول کی اتباع ہے، اور جو اس راستے کو اختیار کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا اور اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ محبتِ رسول اور اتباعِ رسول لازم و ملزوم ہیں۔ سورہ التوبہ (9:24) میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر والدین، اولاد، ازواج، خاندان، مال، تجارت اور پسندیدہ گھر اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جدوجہد سے زیادہ محبوب ہو جائیں تو یہ رویہ ایمان کے منافی ہے۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ رسول کی محبت کا درجہ تمام دنیوی محبتوں سے بلند رکھنا فرض ہے۔ اسی طرح سورہ الاحزاب

(33:6) میں ارشاد کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی مومنوں کے لیے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب اور ان پر حق رکھنے والے ہیں، جس کا فطری نتیجہ یہی ہے کہ ان کی محبت بھی سب سے مقدم ہو۔

احادیثِ مبارکہ سے دلائل

احادیث میں محبتِ رسول کے وجوب کو اور بھی صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی مشہور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ حدیث محبتِ رسول کو ایمان کی تکمیل کی شرط قرار دیتی ہے۔ ایک اور روایت (بخاری و مسلم) کا مفہوم ہے کہ جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پائے گا، اور ان میں سرِ فہرست یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ہر شے سے زیادہ محبوب ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعے کا مفہوم بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے کہ آپ نے عرض کیا: آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ درجہ کافی نہیں، یہاں تک کہ میں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں؛ جب حضرت عمر نے اس مرتبے کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اب (ایمان کامل ہوا)۔ یہ واقعہ ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے اور اس سے وجوبِ محبت کا درجہ بخوبی واضح ہوتا ہے۔

محبتِ رسول ﷺ کی ایمانی اہمیت

محبتِ رسول کی ایمانی اہمیت کئی پہلوؤں سے نمایاں ہے۔ اول یہ کہ یہ ایمان کی روح ہے؛ ایمان صرف زبانی اقرار اور چند اعمال کا نام نہیں بلکہ اس کی اصل جان اللہ اور اس کے رسول سے قلبی وابستگی ہے۔ دوم، یہ اطاعت کا سب سے بڑا محرک ہے؛ انسان جس سے سچی محبت کرتا ہے اس کی بات ماننا اس کے لیے بوجھ نہیں رہتا بلکہ خوشی کا باعث بن جاتا ہے، اسی لیے محبت رکھنے والا مومن سنت کی پیروی شوق سے کرتا ہے۔ سوم، یہ آخرت میں نبی کریم ﷺ کی معیت کا ذریعہ ہے؛ حدیث (بخاری و مسلم) کا مفہوم ہے کہ انسان (قیامت کے دن) اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، اور یہ بشارت سن کر صحابہ کرام بے حد خوش ہوئے تھے۔ چہارم، محبتِ رسول گناہوں سے بچاؤ اور

اخلاق کی اصلاح کا ذریعہ ہے، کیونکہ محب اپنے محبوب کی ناراضگی سے ڈرتا اور اس کی سیرت کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ پنجم، یہ امت کے اتحاد کی بنیاد ہے، کیونکہ تمام مسلمان مختلف زبانیں، نسلیں اور علاقے رکھنے کے باوجود اسی ایک محبت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔

جدول: محبتِ رسول ﷺ کی نمایاں علامات اور ان کے عملی ثمرات

علامتِ محبت	عملی صورت	ثمرہ و نتیجہ
اتباعِ سنت	عبادات، معاملات اور اخلاق میں سیرت کو نمونہ بنانا	زندگی میں ہدایت اور استقامت
کثرتِ ذکر و درود	آپ ﷺ کا ذکرِ خیر اور صلاۃ و سلام کی کثرت	قلبی سکون اور محبت میں اضافہ
ادب و احترام	نامِ مبارک اور آپ سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا احترام	ایمان کی حلاوت اور تعظیمِ شعائر
سیرت کا مطالعہ	سیرت کی کتب پڑھنا اور گھر والوں کو سنانا	معرفت میں اضافہ اور عملی رہنمائی
اہلِ بیت و صحابہ سے محبت	ان کی عظمت کا اقرار اور ان کے نقشِ قدم کی قدر	امت سے قلبی وابستگی اور اعتدال
دین کی خدمت	علم، دعوت اور خدمتِ خلق میں حصہ لینا	محبوب کے مشن سے عملی وفاداری

محبت میں اعتدال: غلو اور جفا دونوں سے بچاؤ

یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ شریعت نے محبتِ رسول میں اعتدال سکھایا ہے۔ ایک طرف وہ رویہ غلط ہے جس میں محبت کا دعویٰ ہو مگر اطاعت، نماز، دیانت اور اخلاق زندگی سے غائب ہوں؛ ایسی محبت اہلِ علم کے نزدیک زبانی دعویٰ ہے۔ دوسری طرف غلو بھی ممنوع ہے؛ نبی کریم ﷺ نے خود (بخاری کی روایت کے مفہوم کے مطابق) اپنی تعریف میں حد سے بڑھنے سے منع فرمایا اور اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول کہلوانا پسند فرمایا۔ لہٰذا صحیح محبت وہی ہے جو شریعت کے دائرے میں رہے: آپ ﷺ کو اللہ کا آخری نبی، سب

سے افضل انسان اور ہمارے لیے کامل نمونہ مانا جائے، آپ کی اطاعت کی جائے، مگر عبادت صرف اللہ ہی کی ہو۔ اعتقادی جزئیات میں حتمی رہنمائی کے لیے مستند علماء سے رجوع کرنا ہی درست طریقہ ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ لغوی طور پر محبت دل کے سچے میلان کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً محبتِ رسول ﷺ سے مراد آپ کو ہر شے سے بڑھ کر محبوب رکھ کر آپ کی اطاعت و اتباع کو زندگی کا دستور بنانا ہے۔ قرآن (آل عمران 3:31، التوبہ 9:24، الاحزاب 33:6) اور احادیث (بخاری و مسلم) اس محبت کو واجب اور ایمان کی تکمیل کی شرط قرار دیتے ہیں۔ ایمانی اعتبار سے یہ محبت ایمان کی روح، اطاعت کا محرک، اخلاق کی اصلاح کا ذریعہ اور آخرت میں نبی کریم ﷺ کی معیت کی بشارت کا سبب ہے۔ مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس محبت کو محض جذباتی نعروں تک محدود نہ رکھے بلکہ سیرت کے مطالعے، سنت کی پیروی، ادب و احترام اور دین کی خدمت کے ذریعے اسے عملی شکل دے۔

سوال نمبر 2: اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ کا فرق اور قرآنی دلائل سے اطاعتِ رسول کی اہمیت

سوال نمبر 2۔ اطاعت اور اتباعِ رسول ﷺ کا فرق واضح کریں اور قرآنی دلائل سے اطاعتِ رسول کی اہمیت بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

اسلام میں رسول اللہ ﷺ کا مقام یہ ہے کہ آپ محض پیغام پہنچانے والے نہیں بلکہ اللہ کے مقرر کردہ مطاع اور کامل نمونہ ہیں۔ قرآن مجید نے جہاں اطاعتِ رسول کا حکم دیا وہاں اتباعِ رسول کو بھی کامیابی کی شرط قرار دیا۔ بظاہر یہ دونوں الفاظ قریب المعنی لگتے ہیں مگر اہلِ علم نے ان کے درمیان نفیس فرق بیان کیا ہے جسے سمجھنا ہر مسلمان کے لیے مفید ہے۔ اس جواب میں پہلے دونوں مفاہیم الگ الگ بیان کیے جائیں گے، پھر ان کا فرق جدول کی صورت میں واضح کیا جائے گا، اور آخر میں قرآن مجید کے دلائل کی روشنی میں اطاعتِ رسول کی اہمیت بیان کی جائے گی۔

اطاعتِ رسول ﷺ کا مفہوم

"اطاعت" عربی لفظ "ط و ع" سے بنا ہے جس کے معنی فرماں برداری، حکم ماننا اور کسی کی بات دل و جان سے قبول کرنا ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اطاعتِ رسول سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی طرف سے جو احکام دیے ہیں، جن باتوں کا حکم فرمایا ہے اور جن سے روکا ہے، مسلمان ان سب کو بلا چوں و چرا تسلیم کرے اور ان پر عمل کرے۔ اطاعت کا تعلق بنیادی طور پر احکام و اوامر سے ہے: نماز، روزہ، زکات، حج، حلال و حرام کے احکام اور معاملات کے اصول، یہ سب اسی دائرے میں آتے ہیں۔ اطاعت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ رسول کے فیصلے کو دل کی رضامندی کے ساتھ قبول کیا جائے اور اس کے مقابلے میں اپنی رائے، رسم و رواج یا خواہش کو ترجیح نہ دی جائے۔

اتباعِ رسول ﷺ کا مفہوم

"اتباع" کا لفظ "ت ب ع" سے ہے جس کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنا، اس کے نقشِ قدم کو اختیار کرنا اور اس کے طریقے کو اپنا لینا۔ اصطلاحاً اتباعِ رسول سے مراد یہ ہے کہ مسلمان صرف رسمی احکام کی پابندی پر اکتفا نہ کرے بلکہ نبی کریم ﷺ کی پوری سیرت و سنت کو اپنی زندگی کا نمونہ بنائے: آپ کی عبادت کا انداز، آپ کے اخلاق، آپ کی گفتگو، آپ کا خاندانی اور سماجی رویہ، آپ کی نرمی، شجاعت، سچائی اور امانت، غرض زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی پیروی کی کوشش کرے۔ اتباع میں محبت اور اقتدا کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اللہ کی محبت کے دعوے کا امتحان اتباعِ رسول کو قرار دیا (آل عمران 3:31 کے مفہوم کے مطابق)۔ اتباع کا دائرہ واجب احکام سے آگے بڑھ کر مستحبات، آداب اور اخلاقی کمالات تک پھیلا ہوا ہے۔

اطاعت اور اتباع میں فرق

دونوں مفاہیم کے تقابلی جائزے سے فرق واضح ہو جاتا ہے۔ اطاعت کا محور "حکم" ہے جبکہ اتباع کا محور "نمونہ و شخصیت" ہے۔ اطاعت میں سوال یہ ہوتا ہے کہ حکم کیا ہے اور اس پر عمل ہوا یا نہیں، جبکہ اتباع میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ عمل کس انداز، کس روح اور کس اخلاق کے ساتھ کیا گیا۔ مثال کے طور پر نماز پڑھنا اطاعت ہے، اور نماز کو نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا اتباع ہے۔ اسی طرح سچ بولنے کا حکم ماننا اطاعت ہے، اور ہر حال میں آپ ﷺ کی طرح امانت و دیانت کو

مزاج بنالینا اتباع ہے۔ یہ فرق درجے کا فرق ہے، تضاد کا نہیں؛ اطاعت اتباع کی بنیاد ہے اور اتباع اطاعت کی تکمیل و خوبصورتی ہے۔ ذیل کا جدول اس فرق کو منظم انداز میں پیش کرتا ہے۔

جدول: اطاعتِ رسول اور اتباعِ رسول کا تقابلی جائزہ

پہلو	اطاعتِ رسول ﷺ	اتباعِ رسول ﷺ
بنیادی مفہوم	احکام و اوامر کی فرماں برداری	سیرت و سنت کی پیروی اور اقتدا
محور	حکم اور فرمان	نمونہ، طریقہ اور شخصیت
دائرہ	واجبات و محرمات اور شرعی احکام	احکام کے ساتھ آداب، اخلاق اور مستحبات بھی
جذبہ	فرض کی ادائیگی اور ذمہ داری کا احساس	محبت، شوق اور نمونے کی پیروی کا جذبہ
مثال	نماز، روزہ اور زکاۃ کی ادائیگی	نماز میں آپ ﷺ جیسا خشوع اور سنتوں کی پابندی
نتیجہ	فرائض سے بری الذمہ ہونا	روحانی ترقی اور اخلاقی تکمیل



شکل: ایمان سے فلاح تک — اطاعت و اتباع کا باہمی سلسلہ

قرآن مجید کے دلائل سے اطاعتِ رسول کی اہمیت

اطاعتِ رسول، اطاعتِ الٰہی کا ہی دوسرا نام ہے

سورہ النساء(4:80) کے مفہوم کے مطابق جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی، کیونکہ رسول اپنے پاس سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے بولتے اور فیصلہ کرتے ہیں۔ اس اصول سے اطاعتِ رسول کی غیر معمولی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ یہ کوئی اختیاری یا اضافی عمل نہیں بلکہ عین ایمان کا تقاضا ہے۔ اسی سورت میں (4:59) مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو، اور اختلاف کی صورت میں معاملہ اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ اس آیت نے قیامت تک کے لیے امت کو فیصلہ کن اصول دے دیا کہ تنازعات کا حل قرآن و سنت میں تلاش کیا جائے گا۔ سورہ محمد (47:33) میں بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دے کر اعمال کو ضائع کرنے سے خبردار کیا گیا ہے۔

اطاعت، ہدایت، رحمت اور فلاح کی کنجی ہے

قرآن نے اطاعتِ رسول کے شاندار ثمرات بیان کیے ہیں۔ سورہ النور(24:54) کے مفہوم کے مطابق اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے، یعنی ہدایت کا راستہ اطاعت سے جڑا ہوا ہے۔ سورہ آلِ عمران(3:132) میں اللہ اور رسول کی اطاعت کو اللہ کی رحمت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ سورہ النور(24:52) میں فرمایا گیا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے، وہی لوگ اصل کامیاب ہیں۔ سورہ النساء(4:13) میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کے لیے ہمیشگی والی جنتوں کی بشارت ہے، اور اس کے برعکس (4:14) نافرمانی اور حدود سے تجاوز پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت کی فلاح کا پورا نظام اطاعتِ رسول سے وابستہ ہے۔

رسول کے فیصلے کی تسلیم، ایمان کی شرط ہے

سورہ النساء (4:65) میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا، مفہوم یہ ہے کہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات میں رسول کو حکم نہ مانیں، پھر ان کے فیصلے پر دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پورے طور پر تسلیم کر لیں۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ اطاعت صرف ظاہری عمل کا نام نہیں بلکہ دل کی رضامندی اور تسلیم کا نام بھی ہے۔ اسی طرح سورہ الحشر (59:7) کا مفہوم ہے کہ رسول جو کچھ دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ؛ مفسرین نے اسے سنت کی حجیت اور اطاعتِ رسول کے عمومی اصول کے طور پر بیان کیا ہے۔ سورہ الاحزاب (33:36) کے مفہوم کے مطابق کسی مومن مرد و عورت کے لیے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو وہ اس میں اپنے اختیار کا دعویٰ کرے۔

اطاعتِ رسول کی عملی صورتیں اور تقاضے

اطاعتِ رسول کی عملی صورت یہ ہے کہ مسلمان قرآن و سنت کو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں رہنما مانے۔ عبادات میں سنت طریقے کو اختیار کرے، معاملات میں حلال و حرام کی حدود کی پابندی کرے، سود، جھوٹ، دھوکا اور خیانت سے بچے، خاندانی زندگی میں نبی کریم ﷺ کے حسنِ سلوک کو نمونہ بنائے، اور سماجی زندگی میں عدل، رحم اور امانت کو اپنائے۔ اطاعت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ دینی مسائل میں ذاتی رائے کے بجائے قرآن و سنت اور اہلِ علم کی رہنمائی کو ترجیح دی جائے۔ یہ واضح رہے کہ یہ گائیڈ تعلیمی مقصد کے لیے ہے؛ کسی خاص مسئلے میں شرعی حکم جاننے کے لیے مستند علماء سے رجوع کرنا چاہیے۔

خلاصہ و نتیجہ

نتیجہ یہ نکلا کہ اطاعتِ رسول احکام کی فرماں برداری کا نام ہے جبکہ اتباعِ رسول سیرت و سنت کو پورے وجود کے ساتھ نمونہ بنانے کا نام ہے؛ اطاعت بنیاد ہے اور اتباع اس کی تکمیل۔ قرآن مجید نے اطاعتِ رسول کو اللہ کی اطاعت کے برابر قرار دیا (النساء 4:80)، اسے اختلافات کے حل کا اصول بنایا (النساء 4:59)، اس پر ہدایت، رحمت، فلاح

اور جنت کی بشارتیں رکھی ہیں (النور 24:54 و 52، آل عمران 3:132، النساء 4:13) اور رسول کے فیصلے کی قلبی تسلیم کو ایمان کی شرط قرار دیا (النساء 4:65)۔ لہٰذا مسلمان کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اطاعت کے ساتھ اتباع کو بھی اپنائے اور اپنی زندگی کو سیرتِ نبوی کے سانچے میں ڈھالنے کی مسلسل کوشش کرے۔

سوال نمبر 3: عصمتِ انبیاء علیہم السلام — شرعی مفہوم اور صحیح و راجح مذہب

سوال نمبر 3۔ عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا شرعی مفہوم کیا ہے؟ انبیاء کی عصمت سے متعلق صحیح اور راجح مذہب کی وضاحت کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

عصمتِ انبیاء اسلامی عقائد کے اہم ترین مباحث میں سے ہے، کیونکہ اس کا براہِ راست تعلق وحی کی حفاظت، نبوت کی صداقت اور انبیاء کی اقتدا کے جواز سے ہے۔ اگر نبی کی ذات سے تبلیغِ دین میں خطا ممکن تسلیم کر لی جائے تو پورے دین پر اعتماد مجروح ہو جاتا ہے، اور اگر نبی انسانی کمزوریوں سے محفوظ نہ ہوں تو ان کا "اسوہ" ہونا بے معنی رہ جاتا ہے۔ اسی لیے امت کے علماء نے اس مسئلے پر مفصل بحث کی ہے۔ اس جواب میں عصمت کا لغوی و شرعی مفہوم، اس کا دائرہ، قرآنی و عقلی دلائل اور پھر اہلِ سنت والجماعت کا صحیح اور راجح مذہب ترتیب سے بیان کیا جائے گا۔ یہ بحث خالصتاً تعلیمی و علمی ہے؛ اعتقادی جزئیات میں حتمی رہنمائی مستند علماء ہی کا میدان ہے۔

عصمت کا لغوی مفہوم

"عصمت" عربی لفظ "ع ص م" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں: روکنا، بچانا، حفاظت کرنا اور کسی کو گرنے سے تھام لینا۔ عربی میں رسی یا اس سہارے کو بھی "عصام" کہا جاتا ہے جس کے ذریعے کوئی چیز گرنے سے محفوظ رہے۔ اسی لغوی پس منظر سے اصطلاحی مفہوم سمجھنا آسان ہوتا ہے: عصمت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے اپنے انبیاء کو ایسی حفاظت عطا فرماتا ہے کہ وہ گناہوں اور دین کی تبلیغ میں خطا سے محفوظ رہتے ہیں۔ اہلِ علم یہ نکتہ بھی واضح کرتے ہیں کہ عصمت کا مطلب انبیاء سے اختیار یا بشریت کا خاتمہ نہیں؛ انبیاء انسان ہوتے ہیں، کھاتے پیتے اور بشری تقاضے رکھتے ہیں، مگر اللہ کی دی ہوئی حفاظت و توفیق کی وجہ سے ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔

عصمت کا شرعی (اصطلاحی) مفہوم

شرعی اصطلاح میں عصمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو ان کی پوری زندگی میں کفر و شرک سے، دین کی تبلیغ میں غلطی سے، کبیرہ گناہوں سے اور اخلاقی پستی کی باتوں سے محفوظ رکھا ہے، اور صغیرہ گناہوں سے بھی ان کی حفاظت کا خاص انتظام فرمایا ہے؛ اگر کبھی بشری تقاضے یا اجتہاد کی بنا پر "ترکِ اولیٰ" یعنی بہتر راہ چھوٹنے کی صورت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً وحی کے ذریعے تنبیہ فرما کر ان کی رہنمائی فرما دی اور وہ معاملہ امت کے لیے درس بن گیا۔ علماء نے عصمت کی ایک معروف تعریف یوں کی ہے کہ عصمت اللہ کی وہ خاص لطف و عنایت (حفاظت) ہے جس کے ہوتے ہوئے بندے سے، اختیار رکھنے کے باوجود، گناہ صادر نہیں ہوتا۔ اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عصمت جبر نہیں بلکہ فضلِ الٰہی اور انبیاء کے اعلیٰ ایمان و معرفت کا مجموعی ثمرہ ہے۔

عصمت کا دائرہ: کن امور سے انبیاء محفوظ ہیں؟

عصمت کے دائرے کو سمجھنے کے لیے اسے چند حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلا حصہ عقائد کا ہے: انبیاء کفر، شرک اور ضلالت سے قبلِ نبوت بھی اور بعدِ نبوت بھی مکمل محفوظ ہیں، اس پر امت کا اتفاق نقل کیا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ تبلیغ و وحی کا ہے: اللہ کا پیغام پہنچانے میں نہ وہ کچھ بڑھا سکتے ہیں، نہ گھٹا سکتے ہیں اور نہ بھول کر غلط بات کہہ سکتے ہیں؛ اس دائرے میں عصمت قطعی ہے۔ تیسرا حصہ کبائر کا ہے: تمام بڑے گناہوں سے انبیاء بالاتفاق محفوظ ہیں۔ چوتھا حصہ صغائر کا ہے جس کی تفصیل آگے راجح مذہب میں آئے گی۔ پانچواں حصہ اخلاق و عادات کا ہے: جھوٹ، خیانت، دھوکا اور ایسی صفات جو لوگوں کو متنفر کر دیں، ان سے بھی انبیاء محفوظ ہیں، کیونکہ یہ صفات نبوت کے مقصد (لوگوں کو قریب کرنا) کے منافی ہیں۔ البتہ بھوک، پیاس، بیماری، آزمائش اور بشری کمزوریوں جیسے فطری امور عصمت کے منافی نہیں، انبیاء ان سے گزرتے رہے ہیں۔

جدول: عصمتِ انبیاء کے دائرے کا خلاصہ

دائرہ	حکم	توضیح
عقیدہ (کفر و شرک)	مطلق عصمت	قبلِ نبوت و بعدِ نبوت، دونوں حالتوں میں محفوظ

وحی کی ترسیل میں کمی، بیشی یا غلطی ناممکن	قطعی عصمت	تبلیغ و ترسیلِ وحی
بڑے گناہ انبیاء سے صادر نہیں ہوتے	عصمت (بالاتفاق کے قریب)	کبیرہ گناہ
تفصیل آئندہ حصے میں بیان کی گئی ہے	راجح مذہب میں عصمت	صغیرہ گناہ
اللہ تعالیٰ وحی سے رہنمائی فرما دیتا ہے، اصرار نہیں ہوتا	ممکن، مگر فوری تنبیہ و اصلاح	ترکِ اولیٰ / اجتہادی لغزش
بھوک، بیماری، آزمائش جیسے فطری امور شامل ہیں	عصمت کے منافی نہیں	بشری تقاضے

عصمت کے قرآنی دلائل

قرآن مجید کے متعدد مقامات عصمتِ انبیاء کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ سورہ النجم (53:3-4) کے مفہوم کے مطابق نبی کریم ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، آپ کی (دینی) گفتگو وحی ہی ہوتی ہے؛ یہ تبلیغ میں عصمت کی صریح دلیل ہے۔ سورہ الحج (22:52) کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی کسی رسول کی تمنا یا تلاوت میں شیطان رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ اس رخنے کو مٹا کر اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے، یعنی وحی کی حفاظت کا نظام خود اللہ کے ذمے ہے۔ سورہ الجن (72:27-28) میں غیب کی حفاظت کے لیے رسول کے آگے پیچھے نگہبان فرشتوں کا ذکر ہے جس سے وحی کی حفاظت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ سورہ الانعام (6:90) میں پچھلے انبیاء کا ذکر کر کے ان کی ہدایت کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے؛ ظاہر ہے اقتدا کا حکم اسی کی دی جا سکتی ہے جو خود معصوم و ہدایت یافتہ ہو۔ مزید یہ کہ قرآن نے انبیاء کو "مخلَصین" یعنی اللہ کے چنے ہوئے خاص بندے قرار دیا ہے (مثلاً سورہ ص 38:45-47 کے مفہوم میں)، اور شیطان کا یہ اقرار بھی نقل کیا ہے کہ اللہ کے مخلص بندوں پر اس کا زور نہیں چلے گا (الحجر 15:39-40 کے مفہوم میں)۔

عصمت کی عقلی دلیل

عقلی اعتبار سے بھی عصمت نبوت کی ناگزیر صفت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نبی کا منصب ہی یہ ہے کہ اس کی ہر دینی بات پر بلا تحقیق عمل کیا جائے اور اسے نمونہ بنایا جائے۔ اگر نبی سے تبلیغ میں خطا ممکن ہو تو امت کے لیے یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہو جائے گا کہ کون سی بات وحی ہے اور کون سی خطا، اور یوں پورے دین کا اعتماد ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر نبی اخلاقی گناہوں میں مبتلا ہو سکے تو دعوت کا اثر ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ لوگ پہلے داعی کے کردار کو دیکھتے ہیں۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ حکیم ہے؛ حکمت کا تقاضا ہے کہ جسے پوری انسانیت کا رہنما بنایا جائے اسے ہر اس کمزوری سے محفوظ رکھا جائے جو اس کے منصب کے منافی ہو۔ یہی عقلی و نقلی اتفاق عصمت کو اہلِ سنت کے ہاں مسلمات میں شامل کرتا ہے۔

صحیح اور راجح مذہب کی وضاحت

انبیاء کی عصمت کے بارے میں اہلِ سنت والجماعت کا صحیح اور راجح مذہب یہ ہے: (1) تمام انبیاء علیہم السلام کفر، شرک اور ہر بڑے گناہ سے قبلِ نبوت بھی اور بعدِ نبوت بھی معصوم ہیں۔ (2) وحی کی تبلیغ و ترسیل میں وہ قطعی طور پر معصوم ہیں؛ ان سے اس میدان میں نہ سہو ممکن ہے نہ خطا۔ (3) صغیرہ گناہوں کے بارے میں راجح اور محتاط موقف یہ ہے کہ انبیاء ان سے بھی محفوظ رکھے جاتے ہیں، خصوصاً ایسے صغائر سے جو اخلاقی پستی کو ظاہر کریں (جیسے جھوٹ یا چھوٹی خیانت) ان کا صدور بالکل ممکن نہیں۔ (4) بعض مقامات پر قرآن میں انبیاء کے لیے "عصیان" یا "ذَنب" جیسے الفاظ آئے ہیں، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے واقعے (طٰہٰ 20) یا حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے میں؛ اہلِ سنت ان کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ امور یا تو نبوت سے پہلے کے اجتہادی فیصلے تھے، یا "ترکِ اولیٰ" تھے یعنی بہتر صورت چھوٹ گئی تھی، اور انبیاء کے بلند مرتبے کے لحاظ سے ترکِ اولیٰ بھی ان کے لیے کوتاہی شمار ہوا، جس پر انہوں نے فوراً توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ "حسنات الابرار سیئات المقربین" (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے پیمانے پر کوتاہی شمار ہوتی ہیں) کا اصول اسی حقیقت کو بیان کرتا ہے۔ (5) انبیاء گناہ پر کبھی اصرار نہیں کرتے؛ تنبیہ ہوتے ہی رجوع کر لیتے ہیں، اس لیے ان کی زندگی کا مجموعی نمونہ ہر لحاظ سے قابلِ اقتدا ہے۔

تاریخی طور پر اس مسئلے میں بعض دیگر گروہوں نے مختلف آراء بھی اختیار کیں؛ مثلاً بعض نے صغائر کے صدور کو ممکن مانا اور بعض نے "امامت" کے تصور سے عصمت کا دائرہ مزید وسیع کیا۔ دورانی تعلیم کے نقطۂ نظر سے ان آراء کا اجمالی علم مفید ہے، تاہم اہلِ سنت کے محققین نے دلائل کی روشنی میں اوپر بیان کردہ موقف ہی کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ یہی موقف قرآن کی مجموعی تعلیمات، احادیث اور نبوت کے مقصد سے مکمل ہم آہنگ ہے۔ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ اختلافی اعتقادی مباحث میں ادب و احتیاط کو ملحوظ رکھے اور گہرے اختلافات کی تفصیل کے لیے مستند کتب علماء کی طرف رجوع کرے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عصمت کا لغوی معنی حفاظت و بچاؤ ہے اور شرعاً اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ خاص حفاظت ہے جس کی وجہ سے انبیاء عقیدے، تبلیغِ وحی، کبائر، اخلاقی پستی اور راجح قول کے مطابق صغائر سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ قرآن (النجم 53:3-4، الحج 22:52، الجن 72:27-28) اور عقل و حکمت کے دلائل اس کی تائید کرتے ہیں۔ صحیح و راجح مذہب کے مطابق اگر کسی نبی سے ترکِ اولیٰ یا اجتہادی لغزش کا ذکر آئے تو وہ گناہ نہیں ہوتا، فوراً تنبیہ و توبہ کے ساتھ اصلاح ہو جاتی ہے اور اس پر اصرار کبھی نہیں ہوتا۔ اسی عصمت کی بنیاد پر انبیاء کی ہر دینی بات قابلِ اعتماد اور ان کی سیرت قابلِ اقتدا ہے، جو دراصل پورے نظامِ ایمان کی ضمانت ہے۔

سوال نمبر 4: عقیدۂ ختمِ نبوت — مفہوم، قرآن و سنت اور آئینِ پاکستان کی روشنی میں اہمیت

سوال نمبر 4۔ عقیدۂ ختمِ نبوت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے قرآن و سنت اور آئینِ پاکستان کی روشنی میں اس کی اہمیت تحریر کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

عقیدۂ ختمِ نبوت اسلام کے بنیادی اور اجماعی عقائد میں سے ہے۔ اس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، اور آپ کی لائی ہوئی شریعت مکمل، محفوظ اور آخری ہے۔ یہ عقیدہ ایمان کی اساس ہے، کیونکہ اسی پر دین کی تکمیل، شریعت کی حفاظت اور امت کے

اعتقادی اتحاد کا دارومدار ہے۔ اس جواب میں پہلے عقیدے کا مفہوم بیان کیا جائے گا، پھر قرآن و سنت سے اس کے دلائل پیش کیے جائیں گے، پھر آئینِ پاکستان کی روشنی میں اس کی قانونی حیثیت واضح کی جائے گی اور آخر میں اس عقیدے کی ہمہ جہت اہمیت پر روشنی ڈالی جائے گی۔ واضح رہے کہ یہ تحریر خالصتاً تعلیمی ہے؛ کسی شخص یا معاملے پر اس عقیدے یا قانون کا اطلاق عدالتوں اور اہلِ اختیار کا کام ہے۔

ختمِ نبوت کا مفہوم

"ختم" کے معنی ہیں کسی چیز کا اختتام، مہر لگانا اور مکمل کر دینا۔ "ختمِ نبوت" سے مراد یہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر مکمل اور ختم ہو گیا ہے۔ اس مفہوم کے تین پہلو ہیں: اول، شخصیت کے اعتبار سے آپ ﷺ آخری نبی ہیں؛ آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہر شخص شریعت کی نظر میں جھوٹا ہو گا۔ دوم، شریعت کے اعتبار سے آپ ﷺ کا لایا ہوا دین مکمل ہے، اس میں کسی اضافے یا نئے وحی کے سلسلے کی گنجائش نہیں۔ سوم، زمانی اعتبار سے یہ سلسلہ قیامت تک بند ہے؛ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی اس کے منافی نہیں کیونکہ اہلِ علم کی وضاحت کے مطابق وہ نئی نبوت لے کر نہیں آئیں گے بلکہ ایک پرانے نبی کی حیثیت سے اسی شریعتِ محمدیہ کے تابع ہو کر آئیں گے۔ یوں ختمِ نبوت کا عقیدہ مسلمان کو اس یقین پر قائم رکھتا ہے کہ ہدایت کا آخری اور مکمل نسخہ قرآن و سنت کی صورت میں موجود و محفوظ ہے۔

قرآن مجید سے دلائل

قرآن مجید میں ختمِ نبوت کی بنیاد سورہ الاحزاب (33:40) پر ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کو "خاتم النبیین" قرار دیا گیا ہے؛ لغت اور مفسرین کے نزدیک اس کا معنی ہے کہ آپ انبیاء کے سلسلے کو ختم کرنے والے اور آخری نبی ہیں، اور "خاتم" کی مہر کسی چیز کی تکمیل و اختتام ہی کی علامت ہوتی ہے۔ سورہ المائدہ (5:3) میں دین کی تکمیل کا اعلان کیا گیا ہے کہ آج دین مکمل کر دیا گیا اور نعمت پوری کر دی گئی؛ دین کی تکمیل کا منطقی نتیجہ یہی ہے کہ اب کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اسی طرح قرآن نے پچھلے انبیاء کی امتیں اور شریعتوں کو اگلی شریعتوں سے تبدیل ہوتے دکھایا، مگر شریعتِ محمدیہ کے لیے قیامت تک باقی رہنے کی بشارتیں اور قرآن کی حفاظت کا وعدہ (الحجر 15:9 کے مفہوم

میں) اس کے آخری ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ علماء نے ختمِ نبوت پر قرآن سے سو سے زائد قرائن و دلائل جمع کیے ہیں، مگر بنیادی اور مرکزی دلیل یہی دو آیتیں اور ان کا مجموعی مفہوم ہے۔

سنت و اجماع سے دلائل

احادیث میں ختمِ نبوت کو نہایت صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک مشہور حدیث (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے مثال دی کہ انبیاء کی مثال ایک خوبصورت عمارت کی ہے جس میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی تھی، میں ہی وہ (آخری) اینٹ ہوں — یہ تمثیل (بخاری و مسلم) ختمِ نبوت کو ذہن نشین کر دیتی ہے۔ ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا گیا، مفہوم یہ ہے کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لیے تھے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں (بخاری و مسلم)۔ اس کے علاوہ متعدد احادیث میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کی پیش گوئی اور ان سے خبردار کیا گیا ہے، جو اسی لیے ممکن ہوئی کہ سلسلۂ نبوت بند ہو چکا تھا۔ انہی نصوص کی بنیاد پر امت کا اجماع قائم ہوا کہ ختمِ نبوت کا انکار ایمان کے منافی ہے اور یہ عقیدہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔

آئینِ پاکستان کی روشنی میں ختمِ نبوت

پاکستان کے تناظر میں ختمِ نبوت صرف اعتقادی مسئلہ نہیں رہا بلکہ اس کی آئینی و قانونی حیثیت بھی متعین ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کے عشروں میں نبوت کے جھوٹے دعووں سے پیدا ہونے والے فتنوں کے پیشِ نظر پارلیمنٹ نے 1974ء میں آئین میں دوسری ترمیم منظور کی، جس کے ذریعے نبوتِ محمدیہ کے بعد کسی نئے نبی کا دعویٰ ماننے والے گروہوں کو آئین کے مقاصد کے لیے غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ اسی ترمیم کے تحت آئین کے آرٹیکل 260(3) میں "مسلم" کی تعریف شامل کی گئی جس میں یہ شرط رکھی گئی کہ مسلم وہ ہے جو اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی ختمِ نبوت پر ایمان رکھے اور آپ کے بعد کسی مدعیِ نبوت کو نبی نہ مانے۔ مزید برآں تعزیراتِ پاکستان میں بھی اس حوالے سے قانونی دفعات موجود ہیں جن کا مقصد مذہبی جذبات اور معاشرتی امن کی حفاظت ہے۔ یہاں یہ اصول یاد رکھنا ضروری ہے کہ ان قوانین کا اطلاق، مقدمات کا فیصلہ

اور سزا کا تعین صرف عدالتیں اور ریاستی ادارے کرتے ہیں؛ کسی فرد یا گروہ کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی ہرگز اجازت نہیں، اور پرامن و قانونی راستہ ہی شریعت و آئین دونوں کا تقاضا ہے۔

جدول: ختمِ نبوت کے دلائل کا خلاصہ

مفہوم کا خلاصہ	حوالہ	ماخذ
رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں	الاحزاب 33:40	قرآن مجید
دین کی تکمیل کا اعلان؛ نئی وحی کی ضرورت ختم	المائدہ 5:3	قرآن مجید
قرآن کی حفاظت کا وعدہ؛ آخری کتاب کی حفاظت کی ضمانت	الحجر 15:9	قرآن مجید
"میرے بعد کوئی نبی نہیں" کے مفہوم کی صراحت	بخاری و مسلم	حدیث
عمارت کی آخری اینٹ کی تمثیل	بخاری و مسلم	حدیث
ختمِ نبوت ضروریاتِ دین میں سے ہے	متواتر اعتقادی اجماع	اجماعِ امت
مسلم کی آئینی تعریف میں ختمِ نبوت پر ایمان کی شرط	دوسری ترمیم 1974، آرٹیکل 260(3)	آئینِ پاکستان

عقیدۂ ختمِ نبوت کی اہمیت

اس عقیدے کی اہمیت کئی جہتوں سے سمجھی جا سکتی ہے۔ اعتقادی جہت یہ ہے کہ یہ عقیدہ ایمان کی عمارت کا ستون ہے؛ جو سلسلۂ نبوت کو ختم نہ مانے وہ قرآن و سنت کے نظام کو مکمل تسلیم نہیں کرتا۔ دینی جہت یہ ہے کہ اسی عقیدے سے شریعت محفوظ رہتی ہے؛ اگر نبوت کا دروازہ کھلا رہتا تو ہر دور میں نئے دعویدار آ کر دین بدلنے کی کوشش کرتے اور

اصل دین ناپید ہو جاتا۔ امتی جہت یہ ہے کہ یہ عقیدہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک مرکز پر متحد رکھتا ہے کہ ہدایت کا آخری مرجع قرآن و سنت ہی ہے۔ تاریخی جہت یہ ہے کہ امت نے ہر دور میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کے فتنوں کا علمی و اعتقادی محاذ پر مقابلہ کیا اور یہی عقیدہ اس دفاع کی بنیاد بنا۔ معاشرتی و قانونی جہت یہ ہے کہ آئینِ پاکستان میں اس کی تصریح سے مذہبی تنازعات کو قانونی دائرے میں حل کرنے کی راہ متعین ہو گئی، جس سے امن و امان کی فضا قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے، بشرطیکہ ہر معاملہ عدالت ہی سے حل کیا جائے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ختمِ نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں، آپ پر [illegible] و شریعت مکمل ہو گئی اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن (الاحزاب 33:40، المائدہ 5:3)، متعدد احادیث (بخاری و مسلم) اور اجماعِ امت اس عقیدے کی قطعی بنیادیں ہیں۔ آئینِ پاکستان نے دوسری ترمیم (1974ء) اور آرٹیکل 260(3) کے ذریعے اسے آئینی تحفظ بھی دیا ہے۔ اس عقیدے کی اہمیت ایمان کی حفاظت، شریعت کی بقا، امت کے [illegible] اور معاشرتی امن میں مضمر ہے۔ مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ اس عقیدے کو علم و دلائل کے ساتھ سیکھے، اپنی نسل تک پہنچائے اور اس سے جڑے ہر مسئلے میں پرامن، قانونی اور علمی راستہ اختیار کرے، کیونکہ قانون کا اطلاق ریاست و عدالت ہی کا اختیار ہے۔

سوال نمبر 5: حقوق الرسول ﷺ کا بنیادی مفہوم اور عصرِ حاضر میں عالمِ اسلام کی ذمہ داریاں

سوال نمبر 5۔ حقوقِ الرسول ﷺ کے بنیادی مفہوم کی وضاحت کریں اور عصرِ حاضر میں عالمِ اسلام کی ذمہ داریوں کا جائزہ لیں۔ (20 نمبر)

تعارف

"حقوق الرسول ﷺ" اس کورس کا مرکزی عنوان ہے، اور اس پورے مضمون کا خلاصہ یہی سوال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور امت پر آپ کے کچھ حقوق مقرر فرمائے ہیں، جن کی ادائیگی پر ایمان کی تکمیل اور دنیا و آخرت کی کامیابی موقوف ہے۔ عصرِ حاضر میں جب ایک طرف سیرت سے دوری بڑھ رہی ہے اور دوسری طرف عالمی سطح پر اسلام اور اس کے رسول کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں، عالمِ اسلام کی ذمہ داریاں پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہیں۔ اس جواب میں پہلے حقوقِ رسول کا بنیادی مفہوم اور اس کی درجہ بندی بیان کی جائے گی، پھر عصرِ حاضر کے چیلنجوں کے تناظر میں عالمِ اسلام کی ذمہ داریوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

حقوق الرسول ﷺ کا بنیادی مفہوم

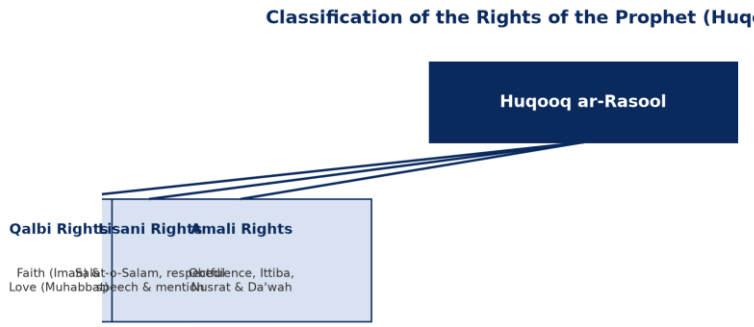
"حق" کے لغوی معنی ہیں: ثابت شدہ واجب امر، وہ حصہ جو کسی کا حق بنتا ہو۔ "حقوق الرسول" سے مراد وہ حقوق ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے اپنے بندوں پر لازم کیے ہیں۔ ان حقوق کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ اس نے رسول کو انسانوں کی طرف اپنا نمائندہ، معلم اور رہنما بنا کر بھیجا؛ لہٰذا رسول کے حقوق دراصل اللہ ہی کے مقرر کردہ ہیں، اور ان کی ادائیگی اللہ کی بندگی کا حصہ ہے۔ علماء نے ان حقوق کو مختلف انداز سے گنوایا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے: (1) آپ ﷺ پر ایمان لانا اور آپ کی نبوت و رسالت کو دل سے ماننا۔ (2) آپ سے سب سے بڑھ کر محبت کرنا۔ (3) آپ کی اطاعت کرنا اور آپ کی سنت کی اتباع کرنا۔ (4) آپ کا ادب و احترام کرنا اور آپ کی توقیر و تعظیم کرنا۔ (5) آپ پر صلاۃ و سلام بھیجنا۔ (6) آپ کی اور آپ کے دین کی نصرت و حمایت کرنا۔ (7) آپ کی رسالت کو آگے پہنچانے (دعوت و تبلیغ) میں حصہ لینا۔ (8) آپ کے اہلِ بیت اور صحابہ کا احترام کرنا۔ (9) آپ کی ناموس و عزت کا پرامن و قانونی دفاع کرنا۔ یہ حقوق اس پوری مشق (اسائنمنٹ) کے دیگر سوالات میں تفصیل سے آ چکے ہیں؛ یہاں ان کا مجموعی خاکہ پیش کرنا مقصود ہے تاکہ تصور کی تکمیل ہو۔

حقوقِ رسول کی درجہ بندی

فہم کی آسانی کے لیے حقوقِ الرسول کو تین بڑی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: قلبی حقوق، لسانی حقوق اور عملی حقوق۔ قلبی حقوق میں ایمان، محبت، تعظیم اور سچی وابستگی شامل ہے؛ یہ باطنی بنیاد ہے۔ لسانی حقوق میں صلاۃ وسلام، آپ کا ذکرِ خیر، آپ کے بارے میں ادب سے گفتگو اور آپ کی تعلیمات کو زبان سے آگے پہنچانا شامل ہے۔ عملی حقوق میں اطاعت و اتباع، سیرت کو زندگی میں نافذ کرنا، دین کی نصرت اور دعوت میں [illegible] شامل ہے۔ یہ تینوں اقسام ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں: جس کے دل میں محبت و ایمان ہو گا اس کی زبان پر درود و ذکر ہو گا اور اس کے عمل میں اتباع نظر آئے گا۔ ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ دینا حقوق کی ادائیگی کو نامکمل کر دیتا ہے۔ ذیل کے جدول اور شکل میں اس درجہ بندی کو واضح کیا گیا ہے۔

جدول: حقوقِ الرسول ﷺ — درجہ بندی اور عملی صورت

قسم	شاملِ حقوق	عملی صورت
قلبی حقوق	ایمان، محبت، تعظیم، اخلاص	دل میں آپ ﷺ کو سب سے محبوب و معظم ماننا
لسانی حقوق	صلاۃ وسلام، ذکرِ خیر، ادبِ گفتگو	کثرت سے درود، سیرت کا بیان، باادب گفتگو
عملی حقوق	اطاعت، اتباع، نصرت، دعوت	سنت پر عمل، دین کی خدمت، سیرت کی اشاعت



شکل: حقوق الرسول ﷺ کی تین بنیادی اقسام

عصرِ حاضر کا پس منظر اور چیلنج

آج کا عالمِ اسلام کئی بیک وقت چیلنجوں سے دوچار ہے۔ ایک طرف مسلم نوجوانوں کی بڑی تعداد سیرتِ نبوی کے باقاعدہ مطالعے سے محروم ہے، جس کی وجہ سے حقوقِ رسول کی ادائیگی جذباتی نعروں تک محدود رہ جاتی ہے اور عملی اتباع کمزور پڑ جاتی ہے۔ دوسری طرف مغربی میڈیا اور سوشل میڈیا کے بعض حلقوں میں اسلام اور نبی کریم ﷺ کی شبیہ کو مسخ کر کے پیش کیا جاتا ہے، جس سے غلط فہمیاں اور اسلاموفوبیا پھیلتا ہے۔ تیسری طرف امت داخلی اختلافات، فرقہ وارانہ تقسیم اور معاشی و تعلیمی پسماندگی کا شکار ہے، جس سے اس کی اجتماعی آواز کمزور ہوتی ہے۔ چوتھی طرف انتہا پسندانہ ردِ عمل بعض اوقات خود اسلام کے پیغامِ رحمت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ان حالات میں حقوقِ رسول کی ادائیگی کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جذبے کو علم، حکمت اور منظم عمل میں ڈھالا جائے۔

عصرِ حاضر میں عالمِ اسلام کی ذمہ داریاں

علمی و تعلیمی ذمہ داریاں

سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ سیرتِ نبوی کو تعلیمی نظام کا لازمی حصہ بنایا جائے؛ اسکولوں، کالجوں اور جامعات میں سیرت کے سائنسی اور آسان نصاب پڑھائے جائیں، اور دنیا کی بڑی زبانوں میں معیاری، مستند اور دلکش سیرت لٹریچر تیار کر کے شائع کیا جائے۔ مساجد، میڈیا اور سوشل پلیٹ فارم کو سیرت کی درست تعلیم کا ذریعہ بنایا جائے۔ علماء و محققین کی ذمہ داری ہے کہ وہ جدید ذہن کے سوالات کا سیرت کی روشنی میں مدلل جواب دیں، تاکہ نوجوان بے یقینی کا شکار نہ ہوں۔

کردار و عمل کی ذمہ داریاں

دوسری بڑی ذمہ داری خود احتسابی اور کردار سازی کی ہے۔ عالمِ اسلام کی سب سے مؤثر نمائندگی اس کے افراد کا کردار ہے۔ اگر مسلمان سچائی، امانت، عدل، صفائی، وقت کی پابندی اور خدمتِ خلق میں نمایاں ہوں تو سیرت کا پیغام خود بخود دنیا تک پہنچے گا۔ حقوقِ رسول کی ادائیگی کا یہ پہلو اکثر نظر انداز ہو جاتا ہے حالانکہ یہی وہ عملی ثبوت ہے جو غیروں کے دلوں کو متاثر کرتا ہے۔ فرد سے لے کر حکمران تک، ہر سطح پر سیرت کو عملی نمونہ بنانا اجتماعی ذمہ داری ہے۔

ابلاغی، قانونی اور سفارتی ذمہ داریاں

تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط معلومات کا جواب علمی تحقیق اور پیشہ ورانہ میڈیا کے ذریعے دیا جائے۔ مسلم ممالک اور او آئی سی جیسے اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بین الاقوامی فورموں پر مربوط موقف رکھیں، توہینِ مذہب کے حساس مسئلے کو بین الاقوامی قانون اور انسانی وقار کے تناظر میں پرامن و قانونی انداز سے اٹھائیں، اور اشتعال انگیز واقعات پر ایسا ردعمل اپنائیں جو قانون کے دائرے میں ہو اور اسلام کے پرامن چہرے کو اجاگر کرے۔ یہ بھی واضح رہے کہ کسی بھی معاملے میں قانون کا نفاذ ریاست اور عدالتوں کا اختیار ہے؛ جذبات کی بنیاد پر خود کار روائی کرنا نہ شریعت کا تقاضا ہے نہ عالمِ اسلام کے مفاد میں ہے۔

باہمی اتحاد کی ذمہ داری

چوتھی ذمہ داری امت کے اتحاد کی کوشش ہے۔ فرقہ وارانہ و علاقائی اختلافات کو باہمی احترام اور علمی مکالمے کے دائرے میں رکھنا، مشترکہ اقدار (جن میں سرِفہرست محبت و اطاعتِ رسول ہے) کو بنیاد بنا کر تعاون بڑھانا، اور غریب و مظلوم مسلمانوں کی معاشی و تعلیمی مدد کرنا، یہ سب حقوقِ رسول کی اجتماعی ادائیگی کے ذرائع ہیں۔ اتحاد کے بغیر نہ تعلیمی منصوبے کامیاب ہوں گے نہ عالمی سطح پر مؤثر آواز اٹھ سکے گی۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ حقوقِ الرسول ﷺ سے مراد وہ قلبی، لسانی اور عملی حقوق ہیں جو اللہ نے اپنے رسول کے لیے امت پر مقرر کیے ہیں، جن میں ایمان، محبت، اطاعت و اتباع، ادب و احترام، صلاۃ و سلام، نصرت اور دعوت سب شامل ہیں۔ عصرِ حاضر میں عالمِ اسلام کی ذمہ داریاں یہ ہیں کہ سیرت کی تعلیم و اشاعت کو منظم بنائے، اپنے کردار کو سیرت کا عملی نمونہ بنائے، غلط پروپیگنڈے کا جواب علم و میڈیا سے دے، بین الاقوامی سطح پر پُرامن و قانونی سفارتی راستے اختیار کرے اور داخلی اتحاد قائم کرے۔ اگر یہ ذمہ داریاں حکمت و توازن کے ساتھ ادا کی جائیں تو حقوقِ رسول کی ادائیگی محض نعرہ نہ رہے گی بلکہ امت میں بیداری، وقار اور عالمی سطح پر سیرت کے پیغامِ رحمت کی اشاعت کا ذریعہ بنے گی۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com